رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال' ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

پچیسویں قسط

دونوں کا ہی یقین ٹوٹا تھا۔
دونوں ہی بے بھرو سا ہوئے تھے' ایک دوسرے سے نظریں چرائے دونوں کتنی ہی دیر خاموش بیٹھے رہے تھے۔
"میں پہلی اور آخری بار تم سے صرف یہی کہوں گا میرا پری سے کوئی تعلق نہیں ہم دونوں کے درمیان کچھ نہیں ۔۔۔ لیکن اگر وہ اسی طرح ہم دونوں کے درمیان ڈسکس ہوتی رہی تو شاید ۔۔۔ ہم دونوں کے درمیان کچھ بھی نہیں بچے۔" واثق پشت پھیرے ٹوٹے ہوئے تھکے تھکے سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور مثال یک ٹک اس کی پشت کو دیکھتی جارہی تھی۔
کمرے میں پھر کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"جتنا تم اسے جانتی ہو۔ میں نہیں جان سکتا' پھر بھی تم نے اس کی بکواس پر یوں یقین کرلیا کہ مجھ سے باز پرس کرنے لگیں میں اب اس پہ کوئی بات نہیں کروں گا۔ تمہیں جیسا ٹھیک لگے اسی پر یقین کرلینا۔" کہہ کر لمحہ بھر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
مثال اس سے کچھ کہنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھی اور اگلے قدم پہ وہیں رک گئی۔
"جب اس نے کہہ دیا کہ اب وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرے گا تو میں بھی اب کچھ واثق سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ نہیں بات کروں گی۔" اس نے اسی قدم پہ کھڑے کھڑے فیصلہ کرلیا۔
واثق نے اگر اپنے اور میرے درمیان دیوار اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو یونہی سہی ۔۔۔ میں بھی مزید کوئی سوال نہیں کروں گی۔
اس نے ان لمحوں میں بہت کچھ سوچ لیا تھا جس میں صرف دوری کے امکان تھے اور فاصلوں کا ارادہ!
وہ نڈھال سی یونہی کرسی پہ گر گئی۔
تو پھر سے وہی کہانی شروع ہونے جارہی ہے' جو ماما اور بابا کے درمیان ہوئی تھی۔ معمولی سی رنجش' چھوٹی موٹی لڑائیاں اور ان کے بیچ نامحسوس انداز میں دیواریں اٹھتی چلی گئیں۔
"مثال بیٹا! یوں اکیلی کمرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" عاصمہ ہلکے سے دروازہ بجا کر اندر آئی تھی اور عادتاً" نرم لہجے میں پوچھنے لگی۔
مثال ایک دم سے سیدھی ہوئی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں آنٹی! آئی ایم فائن' آپ آئیں نا' بیٹھیں۔" وہ جلدی سے انہیں بٹھانے کے لیے کمرے میں بکھری چیزیں اٹھانے لگی۔
"مثال! مجھے انٹرفیئر تو نہیں کرنا چاہیے تم دونوں' آئی مین تمہارے اور واثق کے معاملے میں ۔۔۔ لیکن واثق اس کی عادت نہیں ہے غصے میں یوں ری ایکٹ کرنے کی ۔۔۔ دروازہ بہت زور سے بند کرکے گیا تو مجھے کچھ پریشانی سی ہوئی۔" وہ رک رک کر بولی۔
"کیا تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے کوئی ایسی بات؟" وہ کچھ جھجک کر پوچھ رہی تھی۔
مثال نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں آنٹی ۔۔۔ ایسا کچھ تو نہیں ہوا۔" وہ نظریں چرا کر آہستگی سے بولی۔ عاصمہ اسے بس دیکھتی رہ گئی۔ پھر کسی خیال سے ہلکا سا مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔
"ایک تو بیٹا! مجھے یہ آنٹی وانٹی مت کہا کرو' جس طرح میں واثق کی امی ہوں' ماما ہوں تمہارے ساتھ بھی میرا یہی رشتہ ہے۔ امی کہا کرو مجھے۔" وہ اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔
"جی ۔۔۔ امی!" آہستگی سے وہ کہہ پائی۔

"جیتی رہو... مثال! یہ تمہارا گھر ہے اب بیٹی اور یہاں کے سب لوگ بھی تمہارے اپنے۔" وہ کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی شاید۔

"جی!" مثال کچھ نا سمجھی سے بولی۔

"میری جان! ورہ کو تھوڑا ٹائم دیا کرو' میرا مطلب ہے' اس کے ساتھ تھوڑی دوستی تھوڑی انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ کرو۔ اسے بھی اچھا لگے گا اور تم بھی بہتر محسوس کرو گی۔ گھر کی فضا تولازما" اس سے خوشگوار ہوگی ہی..." وہ عادتا" پھر مسکرائی۔

"تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟" مثال سر ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

واثق سے آفس میں بھی کچھ کام نہیں ہو پا رہا تھا' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مثال اس کے شدید جذبوں کی' اس کی محبت کی ایسی توہین بھی کر سکتی ہے۔

پری... آخ۔ اسے جیسے خود سے بھی گھن آئی' وہ لڑکی کتنی سستی ہے' یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ جو میرے یا کسی بھی ایک لڑکے کے اشارے پر...

"اور مثال نے مجھے اس کے ساتھ جوڑ دیا" واثق کو رہ رہ کر اپنے جذبوں کے کم قیمت ہونے کا اور مثال کی نظروں کا عجیب تضحیک بھرا احساس زخمی کیے جا رہا تھا۔

اس نے تھک کر پین واپس ہولڈر میں رکھ دیا۔ شہزاد آج بھی آفس نہیں آیا تھا۔

واثق کو اس سے اب پارٹنر شپ ختم کرنی تھی مگر زبیر کے مسلسل ہاسپٹل میں ہونے کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ یہ بات شہزاد سے نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ آج کل اپنے لیے آفس دیکھ رہا تھا اور کچھ بنیادی قدم جو اسے پارٹنر شپ ختم کرنے کے بعد لینے تھے اس کے لیے روز اپنے قانونی مشیر سے مل رہا تھا۔

آج بھی اسے آفس سے واپسی پر وہیں جانا تھا لیکن اب اس کا دماغ بالکل غیر حاضر تھا' وہ رات تک آفس میں ہی بیٹھا رہا بنا کچھ کیے۔

☼ ☼ ☼

آئینہ ہاتھ میں پہنی ڈائمنڈ رنگ کو دیکھتے ہوئے مسلسل روئے جا رہی تھی بشریٰ اسے چپ کراتے کراتے خود بھی جیسے ہلکان ہو چلی تھی۔

"میری جان! آئینہ بس کرو' اب اور کتنا روؤ گی میری بیٹی! یہ موقع تو خوشی کا ہوتا ہے۔ لڑکیاں اسے انجوائے کرتی ہیں۔"

وہ بار بار مختلف انداز میں اسے یہی ایک بات سمجھانے کی کوشش کر چکی تھی مگر آئینہ تو جیسے کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی نا شادی' پھر میں کیسے انجوائے کروں اس بات کو جس میں میری مرضی' میری خوشی شامل ہی نہیں۔" وہ روتے ہوئے پھٹی آواز میں چیخی تھی۔

"تمہاری خوشی کس میں ہے۔ تمہاری مرضی کہاں ہے۔ بتاؤ مجھے' میں اس کو ارینج کر دیتا ہوں۔" احسن کمال ایک دم سے اندر آیا تھا اور کھردرے لہجے میں براہ راست آئینہ سے بات کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

بشریٰ لمحہ بھر کو پریشان سی بیٹھی رہ گئی۔

"احسن! آپ ٹینس نہیں ہوں یہ کچھ نہیں کہہ رہی۔" بشریٰ احسن کی طبیعت کا خیال کر کے فوراً" کھڑے ہوتے ہوئے آئینہ کو ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بشریٰ! تم پلیز کچھ دیر کے لیے باہر جاؤ۔" احسن بے تاثر لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو خاموش کھڑی رہ گئی۔

"جاؤ بشریٰ!" وہ اب کے کچھ ناگواری سے بولا۔

بشریٰ ایک نظر آئینہ کو دیکھ کر آہستگی سے باہر نکل گئی' آئینہ اب خود کو سنبھال چکی تھی' احسن چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ایک بات آئینہ! اپنے دل میں بٹھالو۔ آپ کے پیرنٹس سے زیادہ کوئی بھی آپ کی بہتری نہیں چاہ سکتا۔ خود آپ بھی نہیں' آپ سمجھ رہی ہو ناں؟"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"ولید وہ لڑکا ہے جو میرے خیال میں تمہارے لیے اس پورے ورلڈ میں بہترین چوائس ہے۔" وہ رک کر بولا تو آئینہ نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اسے میری جانب داری نہیں سمجھنا' یہ فیکٹ ہے ولید تمہارے لیے پرفیکٹ میچ ہے۔ آج نہیں تو ایک دو سال بعد بھی تمہاری شادی تمہیں کرنی ہے ناتو اب ایک اچھی فیملی' اچھا لڑکا مل رہا ہے تو تمہیں کیا پرابلم ہے اگر تم کسی اور میں انوالو ہو تو۔"

"پلیز پاپا!" وہ جیسے تڑپ کر رہ گئی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں میری بات اچھی نہیں لگی۔" وہ طمانیت بھرے لہجے میں جیسے ہلکا پھلکا ہو کر بولا۔

"بیٹا! دن بھی ایک جیسے نہیں رہتے اور وقت ہمیشہ آپ کے لیے پھولوں بھری خوب صورت ٹوکری ہاتھ میں لیے آپ کے رستے میں نہیں کھڑا رہتا کہ ہمیشہ ہی آپ پر محبتوں' خوشیوں اور پیار کے پھول برستے رہیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پاپا... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ کچھ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مجھے لگتا ہے آئینہ میری جان کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ وقت وہ ٹوکری میری اس پیاری سی باربی ڈول کے اوپر خالی کر رہا ہے' بلکہ اس میں مزید پھول بھرتے جا رہے ہیں' رنگ برنگے خوشبودار وہ باسکٹ کبھی خالی نہیں ہو۔" وہ کھوئے ہوئے سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پاپا! میں بالکل نہیں سمجھ پا رہی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پلیز میں واقعی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی' مجھے پڑھنا ہے اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنا ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ کچھ چڑے ہوئے انداز میں تیز تیز کہتی چلی گئی۔

"اوکے میں سب سمجھتا ہوں' ولید اور اس کی فیملی بھی سمجھتی ہے مگر کیا کریں۔ یہ تقدیر نہیں سمجھتی۔ یہ مہلت نہیں دیتی جبکہ میں خود بھی دل سے چاہتا تھا۔ میں اپنی بیٹی کو یہ ساری کامیابیاں سمیٹتے ہوئے دیکھوں۔"

وہ افسردہ سے انداز میں کہہ کر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"پاپا! کیا ہوا ہے' آر یو آل رائٹ۔" وہ کچھ ڈر سی گئی۔

احسن نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ابھی تک تو ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرا کر اس کے بال ہلکے سے سہلا کر بولا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں میری آئینہ ہمیشہ خوش رہے اور میرا دل اس کی خوشیوں کا سوچ کر ہمیشہ ہلکا پھلکا رہے

میری بیٹی کو کبھی کوئی غم نہیں ملے۔"

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر بس اتنا جان لو میرے پاس وقت کم ہے مہلت تھوڑی ہے کہ میں تمہاری ساری کامیابیاں دیکھ سکوں۔ اس لیے صرف دلہن بنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے باپ کی یہ خواہش خوشی تو پوری کرو گی ناں آئینہ؟"

وہ ششدر سی باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ رہے ہو دانی تم؟" عدیل شاکڈ سا دانیال کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

"پاپا! آئی ایم سوری۔" وہ جھکے ہوئے سر کو اور بھی جھکا کر بولا۔ عدیل کو لگا کہیں قریب میں چھوٹا موٹا بم پھٹا تھا۔

"تم نے کیا کیا ہے۔ پلیز مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ؟ اگر تم کچھ چھپاؤ گے تو..... دانی مجھے کچھ ہو رہا ہے۔" عدیل کو ایک دم سے سینے میں عجیب سی گھبراہٹ کا جان لیوا احساس ہوا تھا۔

"پلیز پاپا! میں اس لیے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔" وہ پریشان ہو کر باپ کا سینہ سہلانے کے لیے جھکا تھا۔

عدیل نے سرد مہری سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

"مجھے تم سے کسی ہمدردی کی بھیک نہیں چاہیے جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو۔ کرنے جا رہے ہو یہی کافی ہے۔" وہ سینہ سہلا کر تلخی سے بولا۔ دانیال خاموش شرمندہ سا باپ کی شکل دیکھے گیا۔

"پاپا! آپ میرا یقین کریں....." اس نے کچھ دیر بعد بولنا شروع ہی کیا تھا کہ عدیل نے رکھائی سے اسے ٹوک دیا۔

"مجھے تمہارا یقین رہا ہی نہیں۔" دانی بے بسی سے باپ کو دیکھنے لگا۔

"پھر میں کیا کروں کون سی قسم کھاؤں کہ آپ کو میری بات کا یقین آجائے..... پاپا میں بہت ٹائم سے مطلب بہت دنوں سے یہ سب کام..... دوستوں کو ان کی کمپنی کو چھوڑ چکا ہوں اور اسی بات پر وہ لوگ مجھ سے ناراض تھے۔"

وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا جب اندر آتی عفت اس کی بھاری آواز سن کر وہیں ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

"انہوں نے مجھ سے اس بات کا بدلہ لینے کے لیے انتقاماً میرا نام اپنے ساتھیوں میں دے دیا ہے جنہوں نے بینک میں ڈکیتی کی اور سیکورٹی گارڈ کا مرڈر کیا۔"

عفت کو لگا زمین اس کے پیروں کے نیچے سے سرک رہی ہے اس نے بے اختیار دروازے کو تھاما تھا۔

"دانی!" عدیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"پاپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پلیز مجھے بچالیں میں سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ بلیو می..... میرا اب ان سب سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ جیسے برداشت کھو کر باپ کے زانو کے پاس بیٹھ کر سسکنے لگا۔

"میں تو اب ان سے ملتا بھی نہیں۔ ان کی کال بھی پک نہیں کرتا۔ اتنے دنوں سے کلاسز بھی نہیں لے رہا..... گھر سے بھی نہیں نکلتا آپ ماما سے پوچھ لیں۔"

وہ آنسو ضبط کرتا اپنی صفائیاں دے رہا تھا۔ جن پر اب عدیل کو ذرا بھی بھروسا نہیں رہا تھا۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ فوزیہ پھپھو سے بات کریں' وہ مجھے بلوالیں فوراً"میں چلا جاؤں گا یہاں سے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میں وہاں سیٹل ہوتے ہی آپ کو اور ماما کو بھی وہیں بلا لوں گا۔"

وہ بڑے بڑے ارادوں کے ساتھ جوش میں بولتا ہوا آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھ رہا تھا۔

"اس مہربانی کی قطعاً" ضرورت نہیں ہے' اب اس عمر میں نہ میں نہ تمہاری ماں کہیں اور جانا چاہیں گے۔" عدیل تلخی سے بولا تھا۔

"پھر آپ کریں گے نا پھپھو کو فون؟" وہ پھر سے ملتجی لہجے میں بولا عدیل تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"ایف آئی آر کون سے پولیس اسٹیشن میں درج ہوئی ہے اس کیس کی؟" عدیل کے اچانک سوال نے دانی کو بے مزہ سا کیا تھا۔ وہ کچھ ناگواری سے باپ کو دیکھنے لگا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ کوفت سے بولا۔

"تو معلوم کرو۔ بتاؤ مجھے ابھی کال کرو کسی کو؟"

"لیکن پاپا اس طرح تو۔۔۔" وہ جھنجلا کر بولنے لگا تھا۔

"دانی! فرار تمہارے کیس کو اور خراب کردے گا۔ یہ مسئلے کا حل نہیں ہے اور ویزا' پاسپورٹ وہاں جانا اس سارے پروسیس میں ٹائم لگتا ہے' دن نہیں کچھ مہینے نہ سہی' ہفتے تو ضرور لگیں گے اگر پولیس نے اس دوران تمہیں اریسٹ کرلیا۔ نہیں' پہلے تمہاری بیل بی فور اریسٹ (ضمانت قبل از گرفتاری) ہونا چاہیے مجھے پتا کرکے بتاؤ' سارے معاملے کا۔"

عدیل خود کو کچھ سنبھال چکا تھا' رک رک کر دانی کو سمجھاتے ہوئے جیسے خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"پاپا۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر یہ معاملہ ایک بار چل نکلا' آئی مین کورٹ وغیرہ میں تو پاپا میرا پورا کیریئر تباہ ہو جائے گا پھر مجھے باہر بھی سیٹ ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

وہ باپ کے ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"دانی ٹھیک کہہ رہا ہے عدیل! اس طرح تو اس کا فیوچر تباہ ہو جائے گا اگر پولیس کیس میں اس کا نام چلا گیا تو۔" عفت ہمت کرکے اندر آتے ہوئے بولی۔

"چلا نہیں جائے گا جا چکا ہے۔ تمہارا بیٹا یہ کارنامہ انجام دے چکا ہے ڈونٹ وری۔" عدیل کہہ کر جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گیا عفت اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆
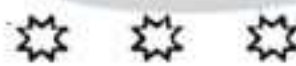
شام سے گھر کر آنے والے بادلوں نے رات سے پہلے سب طرف اندھیرا کردیا تھا۔

اس کے بعد جو موسم سرما کی پہلی بارش نے برسنا شروع کیا تو پھر رات تک نہیں تھمی۔

"مما! پری یہیں رک جائے اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔ باہر بہت بارش ہو رہی ہے اور ہم دونوں کو ابھی کافی کام کرنا ہے۔"

وردہ کچن میں آکر عاصمہ سے کچھ محبت بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔ عاصمہ نے چونک کر وردہ کو دیکھا۔

"کتنی دیر کا کام باقی ہے۔ تم دونوں کا؟" وہ کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

"ابھی تو دو تین گھنٹے لگیں گے۔" وردہ کچھ کوفت سے بولی۔

"ٹھیک ہے' باقی کل ہو جائے گا۔ ابھی کھانا کھا کر میں خود اسے چھوڑ آتی ہوں اس کے گھر سے اگر کوئی نہیں آ رہا تو۔۔۔" عاصمہ بے لچک لہجے میں بولی تو وردہ خفگی سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"بس کھانا تیار ہے۔ کہو تو لگوا دوں؟" عاصمہ اسے کھڑے دیکھ کر بولی۔
"اب یہ تو ٹھیک نہیں لگے گا کہ میں خود سے اسے یہاں سے جانے کو کہوں کہ اسے ہم چھوڑ آئیں گھر۔" وہ ناگواری سے منہ میں بڑبڑا کر بولی۔ عاصمہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"کیا اس نے خود یہاں رکنے کے لیے کہا ہے؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"ایسی بات نہیں ہوتی تو میں کیوں کہتی آپ سے آکر؟" وہ جتا کر ماں سے بولی۔
عاصمہ کچھ سوچنے لگی۔ وہ پری کے یہاں رکنے کے لیے تیار نہیں تھی اس لڑکی کی موجودگی عاصمہ کو عجیب سے ان دیکھے خطرے کا احساس دلاتی تھی۔
"تم پریشان نہیں ہو' اول تو اس کے گھر سے کوئی نہ کوئی لینے آہی جائے گا۔ نہیں بھی آیا تو گھنٹے بھر میں کھانے کے بعد بارش بھی رک ہی جائے گی میں اسے واثق کے ساتھ چھوڑ آؤں گی ابھی تم جا کر کام کرو۔"
"مگر.... مما۔" وردہ جز بز ہو کر رہ گئی۔
"وردہ جیسا کہا ہے ویسا کرو' جب ایک بار یہ بات ہو چکی ہے کہ دن میں جتنا چاہیں آپ لوگ پڑھیں لیکن رات میں اس طرح کمبائن نہیں تو پھر نہیں۔ جائیں اب میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ واثق آتا ہے تو کھانا لگواتی ہوں۔" کہہ کر دونوں چولہے بند کر کے باہر نکل گئی۔
مثال کچھ خالی برتن رکھنے کچن میں آئی تھی' وردہ کو دیکھ کر ذرا سی رکی اور پھر خاموشی سے برتن رکھ کر جانے لگی۔
بلو اینڈ بلیک پرنٹڈ سوٹ میں اس کے خاموش چہرے پر گہری اداسی تھی۔
"ایک بات پوچھوں آپ سے۔" وردہ نے پیچھے سے کہا تھا۔ مثال ہلکا سا مسکرا کر مڑی۔
"کیوں نہیں.... پوچھو۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی آئی تھی۔
"پری اتنی اچھی ہے۔ چلیں آپ کی دشمنی اس کے ساتھ اپنے فادر کے گھر تک تھی۔ اب یہاں وہ میری فرینڈ کی حیثیت سے آتی ہے آپ کو مما کے کان اس کے خلاف بھر کر کیا مل جائے گا۔"
وہ جیسے قطرہ قطرہ زہر مثال کے کانوں میں انڈیل رہی تھی۔ وہ صدمے بھرے انداز میں سامنے کھڑی وردہ کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وردہ کی آنکھوں میں مثال کے لیے کیا نہیں تھا وہ صرف سوچ ہی سکی۔
"اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟"
"وردہ! میں نے پری کے بارے میں آنٹی سے کچھ نہیں کہا۔" بہت نڈھال سے لہجے میں وہ صرف یہی کہہ سکی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اور مجھے آپ کی بات کا یقین کر بھی لینا چاہیے بلکہ ہر کوئی کر لیتا ہے آپ کی بات کا یقین۔" وہ طنز بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مثال اسے دیکھتی رہی۔
"آپ کی شکل پر جتنی معصومیت' جتنا بھولا پن ہے کوئی بھی آپ کی کسی بھی بات کا یقین کر سکتا ہے۔"
اس کا طنز کی کاٹ سے بھرا جملہ مکمل ہو چکا تھا وہ مڑ کر جانے لگی۔
"اور ہاں اب مجھے بھی یقین آگیا ہے' پری جو مجھے بتاتی تھی کہ آپ کی ریئل مدر نے کس طرح انکل عدیل کو ہمیشہ اپنی مٹھی میں کیے رکھا کہ وہ پری کی ماما کو کبھی دل سے قبول ہی نہیں کر سکے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی چہرے کی معصومیت تھی۔ جو در اصل اندر کی مکاری اور......"
"شٹ اپ وردہ! اسٹاپ اٹ.... ایک بات.... میں اگر یہ سب کچھ تمہاری مدر کے بارے میں کہوں تو تمہیں کیسے لگے گا۔ تمہیں اتنا تو خیال ہونا چاہیے۔" وہ شدید جذباتی پن میں بمشکل بول پائی تھی۔

"بھائی! آپ سن رہے ہیں، یہ ماما کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں کہ اگر تم نے میری مدر کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہاری امی کو گالی بھی دے سکتی ہوں۔" کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

اور مثال مڑتے ہوئے شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

واثق اس سے چند قدم کے فاصلے پر بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"میں اپنے لیے سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں بھائی! لیکن اپنی ماما کے لیے ایک لفظ نہیں سن سکتی" آپ پلیز آپ اپنی مسز کو سمجھالیں، ہماری ماما ہمارے لیے کیا ہیں یہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔" کہہ کر روتے ہوئے بھاگ گئی۔

واثق نے مثال پر ایک تیز نظر ڈالی اور واپس مڑ گیا مثال ساکت کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

تو جو کچھ میں سوچتی تھی وہی کچھ ہونے جا رہا ہے۔

کہانی دہرائی جانے والی ہے۔۔۔

وہ برستی بارش کی بوندوں کو اندھیرے میں کہیں گم ہوتے ہوئے دیکھ کر بے سبب یونہی بس سوچے جا رہی تھی۔

اس کے بعد کیا ہو گا یہ بھی اسے معلوم تھا۔

صرف اسی لیے تو میں چاہتی تھی کہ میں شادی نہیں کروں۔

وسوسے بے سبب نہیں ہوتے۔

اندیشے بے وجہ سر نہیں اٹھاتے۔

اس کا جی چاہ رہا تھا وہ کسی کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ مگر کس کے؟

اس کے جس نے بہت دعوے باندھے تھے۔ جس نے اندھے اعتماد کے بلند بانگ وعدے کیے تھے۔ آج اس کی آنکھوں میں بدگمانی، بے اعتباری دیکھی تو وہ جو زندگی سے وابستہ رشتوں سے کچھ امیدیں بندھنے لگی تھیں سب ہی ریت کی بھربھری مٹی کی طرح اس کی مٹھی سے پھسلنے لگی تھیں۔

وہ اپنے ہاتھوں پر سر رکھ کر گہرے بادلوں کے ساتھ اندھیرے میں بیٹھی اسی اندھیرے کا حصہ لگ رہی تھی جانے رات کا کون سا پہر تھا۔

اس کا دل پہلے پہل تو امید کا خوش گمان جگنو اس کے دل کے کونے میں ٹمٹمائے ہوئے تھا کہ کچھ بھی ہو واثق اسے کھوجتا ہوا ضرور یہاں تک آئے گا۔

مگر وہاں بیٹھے بیٹھے جیسے اس کا پورا وجود ہی شل ہو گیا مگر محبت بھرے پاؤں کی ہلکی سی آہٹ کے ساتھ بھی اس کے کسی پہلو میں نہ سرسرائی۔

وہ سخت دل گرفتہ ہو رہی تھی۔

جی میں صرف یہی سما رہا تھا کہ ان آتی جاتی سانسوں کو روک دے، خود کو ختم کر لے اس بے مقصد زندگی کا کیا فائدہ جو اتنے سالوں سے مسلسل ایک جہنم کی طرح سلگ رہی ہے۔

"بس بہت ہو گیا میں کل یہاں سے چلی جاؤں گی اور کسی کے بھی روکنے پر نہیں رکوں گی کیونکہ یہاں میں ہزار سال بھی پڑی رہوں تو بھی کوئی مجھے قبول نہیں کرے گا۔"

وہ اٹھ کر جانے لگی اور اندھیرے میں کھڑے اس کے وجود کو دیکھ ہی نہیں پائی جس سے یہیں اس اندھیرے سرد گوشے میں بیٹھی ان گنت شکوے کیے جا رہی تھی۔

"کیا خود کو بیمار کرنا ہے یہاں اتنی سردی میں بیٹھ کر، کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں میں۔" وہ اس کے بے حد

قریب کھڑا بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"لاحاصل جذبوں کے ساتھ جڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ' یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔" وہ خود کو الٹے قدموں پیچھے ہٹا کر بے مہر لہجے میں بولی۔
"تم سے کس نے کہا یہ بے کار ہے۔" وہ اسی طرح ملگجی روشنی اور اندھیرے کے سنگم میں اس کے چہرے کے نقوش کھوجتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"ایسی باتیں کسی سے پوچھی نہیں جاتیں۔ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں۔" وہ اسے دیکھے بغیر بارش کی آواز کو بغور سنتے ہوئے کہہ گئی۔
"حالانکہ ناراض تو مجھے ہونا چاہیے۔" وہ بالآخر شکوہ زبان پر لے ہی آیا۔
"مثال!" اس نے ذرا پاس آکر اسے پکارا تھا۔
"شاید آپ کو اچھا نہیں لگے جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں پھر شاید آپ اس ناراضی اور رضامندی کے الجھاؤ سے بھی نکل آئیں گے۔" وہ بہت دیر کی خاموشی کے بعد بہت رک رک کر بولی تھی۔
"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" وہ اس کے لہجے سے زیادہ الفاظ سے چونکا تھا۔
"وہ سب جو میں نے آپ سے کہا تھا اور آپ نے اسے ہوا میں اڑا دیا تھا۔ بہت مان تھا آپ کو اپنے جذبوں پر ان کی شدت پر 'کسی کو پا لینا اتنا مشکل نہیں جتنا پا لینے کے بعد کھو دینا ہے اور ہم دونوں کے ساتھ یہی ہونے جا رہا ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

✲ ✲ ✲

"پاپا!" شہزاد کچھ پریشان سا باپ کی شکل دیکھ رہا تھا۔ زبیر کو آج بہت دنوں کے بعد مکمل ہوش آیا تھا۔
اسے وہ مبہم سا دھندلا دھندلا سا منظر یاد آ رہا تھا۔ عاصمہ اس کے اوپر جھکی نفرت بھری نظروں سے دیکھتی کچھ کہہ رہی تھی۔
اسے نہ الفاظ یاد تھے نہ ان کا مفہوم!
لیکن عاصمہ کی آنکھوں سے چھلکتی گہری نفرت..... سب کچھ اسے یاد دلا گیا تھا..... وہ سب کچھ جو اسے کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔
روح اور جسم پر پڑا ایسا بوجھ جو کسی بھی طرح کبھی بھی کم نہیں ہوا تھا ' نہ اس کے زوال کے دنوں میں نہ اس کے کمال کے وقت! ہمیشہ ' ہر لمحہ ہر پل اس کے ذہن اور دل پر ثبت دھڑکتا رہا تھا۔
"ان کا نام..... مجھے معلوم ہے..... عاصمہ آنٹی ہے اور واثق کے فادر کا نام عفان ہے۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
شہزاد کچھ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔
زبیر کے سینے پر دھرا اتنے برسوں کا بوجھ کچھ اور بھی بوجھل ہو گیا اور گناہ کا بوجھ غم کی طرح نہیں ہوتا جو گزرے وقت کے ساتھ کم ہوتا جاتا ہے۔ اس کا وزن گزرے وقت کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے پھر ایک دن اتنا ناقابل برداشت ہو جاتا ہے کہ آدمی اس وزن کے نیچے دب کر ہی ختم ہو جاتا ہے۔
زبیر کے سینے میں درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔ لیکن نہیں ابھی اسے وہ اہم کام کرنا تھا جانے سے پہلے!
بمشکل اس نے اس درد کو دبایا۔
"شہزاد! میری بات غور سے سننا۔ شاید اس کے بعد مجھے دہرانے کا ٹائم نہیں مل سکے۔ دوبارہ موقع نہ دے

قدرت۔'' وہ تکلیف سے بھاری آواز میں بمشکل بولا۔
''پاپا پلیز آپ زیادہ بات نہیں کریں۔ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' وہ اس کی حالت دیکھ کر خوف زدہ سا تھا۔

زبیر نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔
''میرے لاکر میں پیلے رنگ کی ایک فائل ہے' وہائٹ اینولپ میں اس کے اندر ایک خط ہے اور فائل میں جو ڈاکومینٹس ہیں اور وہ خط... دونوں واثق کی والدہ کی امانت ہیں۔''
وہ سینے کو دبائے بمشکل بول رہا تھا سانس کا ردھم ٹوٹ رہا تھا۔
''پاپا! میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔'' شہزاد گھبرا کر جانے لگا۔
''نہیں بالکل بھی نہیں۔ سن لو پہلے ساری بات۔'' زبیر نے پوری طرح سے سینے سے آواز کھینچ کر کہا تھا۔
''شہزاد!'' وہ ہلکان ہو چکا تھا اتنا سب کچھ بولنے میں ہی!
''پاپا پلیز خود پہ اتنا دباؤ نہیں ڈالیں۔'' وہ التجا کرتے ہوئے بولا۔
''جس دباؤ میں اتنے سالوں سے ہوں شاید وہ کسی طرح کم ہو جائے اگر وہ فائل اور خط تم اس عورت واثق کی ماں تک کسی طرح سے پہنچا دو ضرور۔'' زبیر کی ہمت اس کے بعد ٹوٹ گئی وہ نڈھال ہو کر تکیے پر گردن گرا کر لیٹ گیا۔

''پاپا' آپ ٹھیک ہیں نا؟''
وہ تشویش سے جھکا اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اس کی دھڑکنوں کو جانچ رہا تھا۔
زبیر کوشش کے باوجود بول نہیں پا رہا تھا۔
''پاپا! میں بلاتا ہوں ڈاکٹر کو آپ ٹھیک نہیں ہیں؟'' وہ پھر جانے لگا تھا۔
''رکو۔'' وہ بدقت چیخا شہزاد ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔
زبیر اسے ویران خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔
شہزاد دھیرے سے اس کے پاس آ کر محبت سے اس کے ہاتھ تھام کر اسے پیار کرنے لگا۔
''پاپا آپ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ... میرا دل کہتا ہے۔ آپ کو اگر لگتا ہے کہ آپ کے گناہ زیادہ ہیں تو آپ یہ بھی تو سوچیں نا آپ نے مجھ یتیم' بے سہارا کی جس شاہانہ انداز میں پرورش کی ہے' وہ نیکی کچھ کم نہیں۔''
وہ اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگائے تسلی دینے لگا۔
امید بھرا آخری دلاسا!
زبیر اسے دیکھتا رہ گیا۔
''آپ بالکل بھی رنجیدہ نہیں ہوں' آپ کے پاس بہت ساری نیکیوں کا ذخیرہ ہے' اللہ آپ سے خوش ہے۔ میرا دل کہتا ہے اور ابھی آپ بہت سال اور جئیں گے۔ آپ کہتے تھے نا آپ نے ابھی میرے بچوں کو بھی گود میں کھلانا ہے تو دیکھیے گا... وہ دن بھی آپ دیکھیں گے۔'' وہ نم آنکھوں سے باپ کو دیکھتے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔
''نہیں اور نہیں... مجھے اور نہیں جینا شہزاد! مجھے جینے کی دعا نہیں۔'' وہ جیسے گڑگڑا رہا تھا۔
بے اختیار شہزاد کے آگے اس نے دونوں ہاتھ باندھ دیے تھے۔
''پاپا پلیز یہ نہیں کریں۔'' وہ خود بھی رو پڑا تھا۔
''واثق کی ماں کے آگے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر میری طرف سے معافی مانگنا اور ان کی منت کرنا کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔'' وہ پھر گڑگڑایا۔

شہزاد ششدر سا باپ کو دیکھتا رہ گیا۔
"پاپا... ان کے ساتھ میرا مطلب ہے۔" وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیا سوال کرے۔
"کچھ نہیں پوچھو اب اس کا وقت گزر چکا بس وہ فائل ان کی امانت پہنچا دینا اور میری معافی۔" کہہ کر اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں شہزاد دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں کیوں... کیا ہوا ہے انہیں۔" عفت کی بات پر مثال سخت بے چین ہو کر بولی۔
اس نے یونہی گھر فون کیا تھا یہی سوچ کر کہ اس وقت عدیل گھر پر ہوگا۔
عفت نے کال ریسیو کرتے ہوئے کچھ کوفت بھرے لہجے میں بتایا تھا۔
"موسمی فلو اور کچھ ٹمپریچر سا ہوا ہے۔" عفت کے لہجے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ بتانا تو نہیں چاہ رہی مگر مجبوراً اسے مثال سے بات کرنا پڑ رہی ہے۔
"کل تو وہ ٹھیک تھے بالکل۔" مثال بڑبڑائی۔
"تم نے کل بھی فون کیا تھا عدیل کو؟" عفت چونک کر بولی۔ مثال ایک دم سے چپ کر گئی۔
"کیا تمہارا جی نہیں لگتا اپنے گھر میں یوں ہڑک ہڑک کر باپ کی طرف کیوں لپکتی ہو؟ ہر روز کا رابطہ کہاں تمہارا جی لگنے دے گا وہاں لڑکی! سنبھالو خود کو... یہ گھر بسانے کے طریقے نہیں ہوتے۔" وہ اس پر جیسے برس ہی پڑی۔
"پاپا گھر پر ہیں میری بات کرا دیں ان سے۔"
"نہیں ہیں گھر پر... آرام کرنے دو انہیں اور خود بھی کچھ کام وام کر لو، تمہاری ساس نے تمہیں یوں ہی چھوڑ رکھا ہے، بڑی بھاگوان ہو کہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔" عفت بول رہی تھی۔ اس نے فون رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ رہے ہیں احسن آپ؟" بشریٰ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔
"تم سے زیادہ یہ خبر میرے لیے کسی بم بلاسٹ سے کم نہیں ہے۔" وہ سخت اذیت میں جیسے کراہ کر بولا۔
دونوں کے درمیان چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"مگر وہ کیوں چلا گیا پاکستان؟" کچھ دیر کے بعد بشریٰ ہی بولی تھی۔
"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا ایسا کچھ ارادہ ہے تو کیا میں اس سے بات نہیں کرتا اسے منع نہیں کرتا۔" احسن تلخی سے بولا۔
یوں بھی کچھ دنوں سے احسن ایسے ہی تلخ لہجے میں بات کرنے لگا تھا بشریٰ کو پہلے اس کے سخت لہجے نے ہراساں رکھا۔ اب اس تلخ لہجے نے اندر تک دکھی کر دیا تھا، یہ الگ بات کہ بہت سالوں سے اس نے اپنے دل میں خود سے سمجھوتا کر لیا تھا ان ساری سختیوں، ان ساری تلخیوں کو اس نے اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کر جینا تھا۔
اور اس خود ساختہ سمجھوتے کی سختی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔
"آپ کی بات ہوئی اس سے فون پر؟" اس نے کچھ دیر بعد پھر ڈھٹائی سے خود ہی پوچھا۔ ورنہ سیفی سے اسے رتی برابر دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ اگر دنیا میں کسی سے نفرت اور شدید بیزاری تھی تو وہ یہ سیفی ہی تھا، مگر اس کی مجبوری کی انتہا تھی کہ وہ یہ کسی پر ظاہر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ احسن کمال پر تو بالکل بھی نہیں۔
"نہیں، نہ وہ میری کال پک کر رہا تھا نہ مجھے کال بیک کر رہا تھا، کئی دنوں سے یہی معاملہ چل رہا تھا اور اب میری

اس کے ایک دوست سے بات ہوئی' اس نے مجھے بتایا کہ سیفی باہر چلا گیا ہے' میں نے اس کا فون ٹرائی کیا۔ پہلے تو آف تھا پھر بعد میں اس کی کال آ گئی۔" وہ بولتے ہوئے تھک کر رک گیا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کتنی ڈھٹائی سے اس نے اقرار کر لیا کہ کچھ دوستوں کے ساتھ پلان بنا تھا یونہی انڈیا' پاکستان کا وزٹ کرنے کا ابھی تو کچھ دن پاکستان رکے گا۔ پھر دیکھے گا اس نے کیا کرنا ہے۔" احسن ہارے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور اس کی اسٹڈیز....."

"جہنم میں گئیں' میری طرف سے' یہ موت سے پہلے میرے مرنے کا بندوبست کر کے رہے گا" وہ تلخی سے کہہ کر اٹھ کر چلا گیا' بشریٰ گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یار یہ سب ۔ ایکسکیوزز ہیں تمہارے فادر کے۔" وکی دانی کا کندھا اپنائیت سے تھپکتے ہوئے بولا۔

"نہیں یار!" دانی نے کمزور سا دفاع کیا۔

"نہیں بیٹا ایک بار تمہارا نام پولیس کی ایف آئی آر میں آ گیا تو پھر تمہارے یہ فادر بھی کچھ نہیں کر سکیں گے۔" وکی تفریحاً" کہہ رہا تھا یا سنجیدہ تھا دانی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"باہر کی آزاد عیش بھری زندگی یا پھر ادھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے گلی سڑی قابل رحم زندگی' ایک بار حوالات میں چلا گیا پھر تو شہر میں' جو چھوٹی موٹی واردات ہوتی ہے اس میں بھی پولیس نے تجھے ہی لائن حاضر کر لینا ہے۔ تیرا آنا جانا تو بھیا وہاں اب لگا ہی رہے گا۔"

وکی نے اس کے ہوش محاورتاً" نہیں حقیقتاً" اڑا دیے تھے۔

"یار ایسی باتیں نہیں کرو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ خوف زدہ ہو کر بولا۔

"بہت آسان میری جان۔" وہ اس کا کندھا زور سے تھپک کر بولا۔ دانی اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"اپنے جاوید بھائی ہیں نا یار! کیا ہاتھ کی صفائی ہے اس بندے میں۔" وہ آنکھ دبا کر بولا۔

"میں سمجھا نہیں بالکل بھی۔" دانی ناسمجھی سے بولا۔

"صرف تھوڑی سی رقم کے بدلے وہ تجھے تیرے ڈریم لینڈ میں پہنچا دے گا۔ بس تجھے حوصلہ دکھانا ہو گا۔" وہ پھر سے اسی لہجے میں عادتاً" آنکھ دبا کر بولا۔

"میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔"

"یار! تیری عقل دانی تو بہت چھوٹی ہے سن صرف چھ سات لاکھ روپے کا انتظام کرنا ہو گا۔ جاوید بھائی تجھے پانچ دن کے اندر ملک سے باہر بحفاظت بالکل لیگل طریقے سے پہنچا دیں گے اور وہاں جا کر تیری جاب کا بھی بندوبست ان کے ذمے ہو گا' ایڈمیشن بھی ہو جائے گا تیرا کالج میں' شان دار زندگی بن جائے گی تیری سوچ لے' صرف چوبیس گھنٹے ہیں تیرے پاس سوچنے کے لیے۔ آگے تیری مرضی۔"

"مگر یار! اتنی بڑی رقم میں کہاں سے لاؤں گا؟" دانی پریشان سا بولا تھا۔

"تو بھی ننھا ہی ہے دانی سن' بہت آسان ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اسے بتانے لگا۔

☆ ☆ ☆
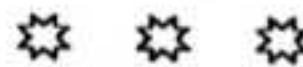
"مثال! تم ٹھیک ہو ناں؟" بشریٰ بے چین لہجے میں اس سے فون پہ پوچھ رہی تھی۔

جب سے اس نے احسن کمال سے سنا تھا کہ سیفی پاکستان چلا گیا ہے جانے کیوں بشریٰ کے دل کو عجیب سی بے کلی نے آ گھیرا تھا۔ اسے رہ رہ کر مثال کا خیال آ رہا تھا۔

"جی ماما!" وہ بہت آہستگی سے بولی تھی۔ بشریٰ ذرا سا چونکی۔

"کوئی آیا تھا۔ تم سے ملنے۔" رک کر اس نے بے ربط انداز میں پوچھا تھا۔

"کون... کس نے آنا تھا؟" مثال بے دھیانی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں... "بشریٰ نے یونہی سر جھٹکا۔

"تم خوش ہو ناں؟" وہ بُرے خیالات اور وسوسوں کو دور رکھتی ذرا بشاش لہجے میں بولی۔

"ہوں!" مثال کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"عدیل... مطلب اپنے پاپا سے ملنے جاتی ہو۔ وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"آج صبح کال کی تھی۔ عفت ماما کہہ رہی تھیں انہیں ٹمپریچر ہے۔" مثال کے بتانے پر بشریٰ خاموش ہوگئی۔

"واثق تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ مطلب اس کا رویہ... میری دو بار بات ہوئی ہے اس سے، کافی اچھے مزاج کا لگا ہے مجھے وہ۔" بشریٰ جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔

"جی!" مثال بہت مختصر جواب دے رہی تھی۔ جانے کہاں الجھی ہوئی تھی۔

"تم کچھ پریشان ہو مثال؟" وہ چونک کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں ماما... آپ پاکستان نہیں آئیں گی... آئی مس یو ماما۔" وہ آہستگی سے بولی تو بشریٰ کے دل کو کچھ ہوا۔

"مس تو میں بھی بہت کر رہی ہوں تمہیں۔ دیکھنا چاہتی ہوں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ شادی کے بعد میری بیٹی کیسی لگ رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، تمہیں گلے سے لگانا چاہتی ہوں۔" بشریٰ ایک دم سے جذباتی ہو کر کہتی چلی گئی۔

"مما!" وہ آہستگی سے بولی۔

"بولو میری جان! کچھ چاہیے تمہیں؟" وہ آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرتے ہوئے اسی جذباتی لہجے میں بولی۔

"نہیں..." وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"مثال!" بشریٰ کچھ چونکی۔ اس کے لہجے میں کچھ تھا۔

"بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں خود کو۔" وہ ہولے سے بولی بہت جی چاہ رہا تھا بشریٰ کو وہ سب کچھ بتا دے، جو کچھ اس کے دل پر بیت رہی ہے لیکن... ہمیشہ اس لیکن نے ہی تو اسے روکے رکھا تھا سو اب بھی اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

"کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟" بشریٰ فوری طور پر یہی سوچ سکی تھی۔

"نہیں۔"

"پلیز مثال! مجھے پریشان نہیں کرو، میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں۔ بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" بشریٰ حقیقتاً پریشان ہوگئی تھی۔

"کیا ہوا آپ کیوں ڈسٹرب ہیں۔"

"احسن ٹھیک نہیں ہیں۔ بائی پاس ایڈوائز کیا ہے ڈاکٹرز نے۔" وہ لمحہ بھر خاموش رہ کر آہستگی سے بولی۔

"اوہ...!" وہ بے اختیار صرف یہی کہہ سکی۔

"تم کیوں پریشان ہو۔ بتاؤ مجھے؟" بشریٰ کو پھر سے خیال آیا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں ماما!" وہ ٹال کر بولی۔

"تمہاری ساس آئی مین عاصمہ بہن، تمہاری نندوہ تو ٹھیک ہیں نا.... تمہارے ساتھ ان کا رویہ، ان کا سلوک۔" بشریٰ اس کی پریشانی کو پہنچ گئی تھی۔

"نہیں مما! سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی کچھ ڈیپریشن سا ہو رہا تھا۔ ہو جائے گا ٹھیک خود ہی۔" وہ ٹالتے ہوئے بولی۔

"مثال! ایک بات تم سے کہنا چاہتی ہوں۔" پتا نہیں بشریٰ نے اس کا جواب سنا تھا یا نہیں کسی اور ہی دھیان میں بولی۔

"کون سی بات ماما؟" وہ کچھ چونکی۔

"سیفی پاکستان میں ہے اگر وہ تمہیں کہیں نظر آئے تو پلیز تم اسے اگنور کر دینا، بالکل بات نہیں کرنا اس سے، تم سمجھ رہی ہو ناں۔" مثال اس کی بات سن کر جیسے سناٹے میں آ گئی۔

☆ ☆ ☆

شہزاد کو لاکر میں مختلف ڈاکومنٹس کے درمیان وہ زرد فائل مل گئی تھی اور خط بھی!

وہ چند لمحے دونوں چیزیں ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔

"اس فائل اور خط میں کیا ہے؟ پاپا نے یہ دونوں چیزیں مجھے عاصمہ آنٹی تک پہنچانے کو کہا تھا، مگر انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں انہیں کھول کر دیکھ سکتا ہوں یا نہیں؟"

وہ لاکر بند کر دونوں چیزیں لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ معلوم نہیں پاپا کا عاصمہ آنٹی کے ساتھ کیا تعلق ہے، شاید دونوں رشتہ دار ہوں یا پھر کچھ اور۔"

وہ فائل کھولتے کھولتے رک گیا۔

"نہیں۔ مجھے امانت میں خیانت نہیں کرنی۔ میں پاپا سے پوچھ لوں گا کہ اگر وہ اجازت دیں تو میں یہ دونوں چیزیں دیکھ لوں۔"

وہ ایک بڑے لفافے میں ڈال کر باہر جانے لگا۔

اس کا ارادہ آفس جانے کا تھا۔

آفس اتنے دنوں سے واثق ہی دیکھ رہا تھا لیکن جانے کیوں شہزاد کو آج کل واثق کا رویہ بھی کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

بہت اکھڑا اکھڑا اور روکھا سا!

وہ شہزاد سے بات بھی کرتا تو نظریں چرا کر....

واثق نے مجھ سے آج کوئی بہت ضروری بات کرنی تھی اسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے یاد آیا۔

اس نے گاڑی کا رخ آفس کی طرف کر لیا۔

"میں وہیں سے واثق کے ساتھ اس کے گھر چلا جاؤں گا عاصمہ آنٹی سے مل کر انہیں یہ امانت پہنچا دوں گا۔"

وہ پلان کر رہا تھا کیونکہ اسے جلدی فارغ ہو کر ہسپتال بھی پہنچنا تھا، پاپا اکیلے تھے واثق آفس میں موجود نہیں تھا۔

"واثق صاحب تو کچھ دیر پہلے چلے گئے ہیں۔" شہزاد کے منیجر نے پوچھنے پہ اسے بتایا۔

"کیا گھر چلے گئے ہیں؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"نہیں کچھ بتا کر نہیں گئے لیکن کہہ رہے تھے۔ شاید وہ واپس چکر لگائیں گے آفس کا۔"

"اوہ لیکن میں ویٹ نہیں کر سکتا یہاں بیٹھ کر پاپا کے پاس جانا ہے مجھے ہسپتال۔" وہ بڑبڑایا۔

"میں واثق صاحب کو کال کرتا ہوں اگر وہ کہیں قریب میں ہوں تو آجائیں گے اگر آپ کو ضروری بات کرنا ہے ان سے۔" منیجر اس کی شکل دیکھ کر بولا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں میں خود بات کرلوں گا آپ سنائیں آفس میں سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟" وہ اس سے تفصیلات پوچھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

واثق پری کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ حیران سا رہ گیا۔

اسے عاصمہ کی کال آئی تھی کہ اس کی ایک بہت ضروری دوا قریب کے اسٹور سے نہیں مل رہی اگر واثق بھجوا دے۔

واثق کو خود اٹھ کر اس مخصوص اسٹور تک جانا پڑا جہاں سے وہ ٹیبلٹ عموماً" ملا کرتی تھی وہ میڈیسن لے کر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ٹھٹھک گیا۔

"کین یو ڈراپ می پلیز۔" وہ گاڑی کی کھڑکی پر جھکی کچھ رسمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ فوری طور پر کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"میں اپنی فرینڈ کے ساتھ بک شاپ پر آئی تھی۔ اسے ایمرجنسی میں جانا پڑ گیا۔ آٹو یہاں سے مل نہیں رہا ٹیکسی میں اکیلے جانا مجھے عجیب سا لگ رہا تھا آپ نظر آگئے تو سوچا۔ کسی اجنبی کے ساتھ جانے سے بہتر ہے آپ سے لفٹ کی ریکویسٹ کرلوں۔" اس نے لمبی چوڑی تفصیل بتائی تو واثق کچھ کہہ نہیں سکا۔

"میں بیٹھ سکتی ہوں۔" وہ اسے یوں خاموش دیکھ کر پھر سے بولی۔

اور وہ صاف انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا پری نے اسے کچھ حیران نظروں سے دیکھا تھا تھینکس کہتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

سیفی ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چٹ لیے ٹیکسی ڈرائیور کو راستہ سمجھا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے صاحب پہنچا دوں گا لیکن پیسے ڈبل لوں گا۔"

آج کل اس طرف جانے والی تقریباً" سب ہی سڑکوں پر کام ہو رہا ہے گھنٹوں ٹریفک جیم رہتا ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا تھا۔

"اوکے میں دے دوں گا لیکن کوشش کرنا ذرا صاف راستے سے لے کر جاؤ مجھے ڈسٹ الرجی ہے۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے جی! آپ فکر ہی نہ کریں۔" وہ سر ہلا کر ٹیکسی بڑھا لے گیا۔

(آخری قسط ان شاءاللہ آئندہ ماہ)